ڈاکٹر عبدالعزیز ملک
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، فیصل آباد
ڈاکٹر سمیرا اکبر
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، فیصل آباد
ڈاکٹر رابعہ سرفراز
صدر، شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، فیصل آباد

''سدھارتھ'': انسانیت کا استعارہ

Abstracts

Sidharth: Metaphor of Humanity

By Dr. Abdul Aziz Malik, Asst. Prof., Dept. of Urdu, Govt. College University, Faisalabad.

Dr. Sumera Akbar, Asst. Prof., Dept. of Urdu, Govt. College University, Faisalabad.

Dr. Rabia Sarfraz, Head of Dept., Dept. of Urdu, Govt. College University, Faisalabad.

Siddhartha (1922), well-known work by German author Hermann Hesse, (1877-1962) is a story about one man's search for self –realization. In this novel The Siddhartha searches for truth and enlightenment, difference between knowledge and understanding, the nature of truth, and the unity of all things. Siddhartha first begins his journey by following those who are also seeking Enlightenment. Themes in *Siddhartha* by Hermann Hesse include: Alienation of man from man, Alienation of man from environment, Desire for self-knowledge, People can teach religious doctrine, but it may not lead one to find one's true inner self-Knowledge can be taught, but wisdom comes from experience, Self-discovery, Individuality, Timelessness, Search for self-realization, Dilemma of spiritualism and enlightenment, human nature quest for

knowledge and wisdom. In this article effort is made to analyze the central character of given novel.

Keywords: Herman Hesse, Siddhartha, Inner Feelings, mysticism, Thought-provoking, Fragility, Intimate, Relationship.

کلیدی الفاظ: ہرمن ہیسے ،سدھارتھ ،باطنی احساسات ،تصوف، فکر انگیز،ضعیف ، بے تکلف ، رابطہ ، جرمن ادب ، ناول ، قدیم ہندوستان

ناول نگارہرمن ہیسے کا تعلق جرمن سرزمین سے ہے۔ خاندانی لحاظ سے وہ ایک راسخ العقیدہ عیسائی پس منظر کا حامل ہے۔مذہبی نظام کے جبر کے خلاف اس نے بغاوت کی اور مذہبی تعلیم دینے والے اسکول سے بھاگ نکلا۔ایک مقام پر اس نے خودکشی کرنے کی بھی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوپایا۔سدھاتھ کے علاوہ اس کے دیگر ناولوں میں اس کے ہاں ایک ایسی بے چینی موجود ہے جوکسی جستجو میں بھٹکتے پھرنے سے مماثل ہے۔اس دور کا مذہبی نظام اور اس کی فرسودہ اقدار اس کی جستجو میں رکاوٹ بنتی ہیں جس کے باعث اس کا معاشرے سے تصادم پیدا ہوتا ہے۔وہ سیلون، سنگاپور اور ہندوستان میں گھومتا رہا۔دوسری عالمی جنگ میں وہ فوج میں رضا کارانہ طور پر بھرتی ہوا۔ جنگ کی ہولناکیوں اور تباہیوں سے اسے نفرت ہوگئی اوراس نے رزمیہ شاعری کے خلاف بہت کچھ لکھا۔[1] ہرمن ہیسے کے دیگر ناول بھی سدھارتھ کی طرح انسانی ذات کی دریافت، روحانیت کے سفر اورذات کی تعمیر کو موضوع بناتے ہیں۔ان میں The Glass Bead Game(1943), Steppenwolf(1972)اور Damian(1976)وغیرہ کے نام خاص طور پر نمایاں ہیں۔ ان کی تحریروں پر سپائی نوزا، شوپنہار اور افلاطون جیسے زرخیز دماغوں کی تخلیقات کے اثرات کو آسانی سے تلاش کیا جا سکتا ہے۔

انگریزی زبان کے ادیب شیکسپیئر نے زندگی کو ڈراما کہا تھا لیکن زندگی تو ناول بھی ہوسکتی ہے جس کا مرکزی کردار انسان ہے۔اس نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے اگر ہرمن ہیسے کے ناول سدھارتھ کا مطالعہ کریں تو ہمیں تمام تر توجہ مرکزی کردار'' سدھارتھ ''پر مرکوز کرنا ہوگی۔اس کی باطنی اور خارجی زندگی کے تصادم سے جنم لینے والی صورتِ حال کا تجزیہ کرنا ہوگا تاکہ معلوم کیا جاسکے کہ مذکورہ کردار عصری حسیت اور شعور کا ترجمان ہے؟ یا نہیں۔کیا سدھارتھ کا کردار معاشرے اور فطرت کے خلاف برسر پیکار دکھائی دیتا ہے؟ کیا وہ رائج معاشرتی اُصولوں سے سمجھوتہ کرتا دکھائی دیتا ہے یا وہ ان کی فرسودگی کے خلاف برسر پیکار ہے؟یہ وہ سوالات ہیں جو اس کردار کی تشکیل پذیری کے اسباب کو سمجھنے میں مددگار ہو سکتے ہیں۔ اس کردار کی تشکیل میں ہرمن ہیسے نے تخیل اور تصور کی جدت پسندی کے ساتھ ساتھ فلسفیانہ تفکر کی گہرائی بھی شامل کی ہے۔وہ انسانی زندگی کی تلخیوں سے فرار کی نہیں بلکہ اس سے اُلجھنے اور اس کی اُلجھنوں کو سلجھانے کا سبق

دیتے ہیں۔اس طرح اس ناول میں ناول نگار محض مصور ہی نہیں بلکہ مبصر کی حیثیت سے بھی سامنے آیا ہے۔اس نے مذکورہ کردار کی تشکیل میں بطور خاص توجہ صرف کی ہے اور ناول کے باقی کرداروں کو وہ اہمیت نہیں دی جو دوسرے ناولوں میں دیکھنے کو ملتی ہے۔اس خیال کا اظہار محمد فرید کچھ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''ہرمن ہیسے کا ناول ''سدھارتھ'' ۱۹۲۲ء میں منظر عام پر آیا۔ ناول ''سدھارتھ'' میں اس کے ہیرو سدھارتھ کے علاوہ دیگر نمایندہ کرداروں کے فکری رجحانات کا مطالعہ کرنے سے ایک بات تمام کرداروں میں بخوبی دیکھی جا سکتی ہے کہ یہ گھڑے گھڑائے یعنی ٹائپ قسم کے کردار نظر آتے ہیں۔ ان تمام کرداروں کی حیثیت ہیرو سدھارتھ کے سامنے پست نظر آتی ہے۔کسی ایک کردار کو بھی ناول سے نکال دینے کے باوجود بھی اس کہانی پر کوئی خاص فرق پڑتا دکھائی نہیں دیتا۔ہرمن ہیسے نے ہیرو کے علاوہ عام کرداروں کو وہ اہمیت نہیں دی جو دیگر ناولوں میں دیکھی جاتی ہے،نہ ہی اس ناول کی ہیروئین اور نہ ہی دیگر کردار کوئی خاص اہمیت حاصل کرتے نظر آتے ہیں۔''(۲)

ناول کی کہانی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک برہمن گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔اسے مذہب کی فرسودہ روایات سے اکتاہٹ اور بے چینی محسوس ہوتی ہے جس کے باعث اس کے اندر کئی سوالات جنم لیتے ہیں جن کے جوابات کی جستجو میں وہ گھر کو خیر باد کہہ کر سادھوؤں کے گروہ میں جا کر شامل ہو جاتا ہے۔اس کے بچپن کا دوست گوونداا اس کا ساتھ دیتا ہے۔یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ضروری نہیں مذہب کی موجودگی انسان کو خود شناسائی سے ہم کنار کرے۔سدھارتھ کے ماحول اور تعلیم نے اس کے اندر تشکیک کو جنم دیا ہے جس سے وہ ذہنی انتشار کا شکار ہو گیا ہے۔تجربہ کار اور سن رسیدہ سنیاسی بھی اس کی ذہنی تشفی کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں۔اس موقع پر اسے احساس ہو جاتا ہے کہ اسے انکشافِ ذات کا سفر خود کرنا ہے۔اسی دوران میں اس کی ملاقات گوتم بدھ سے ہوتی ہے،وہ اس کی عظمت اور روحانیت کو تسلیم کرتا ہے لیکن اپنی جستجو کی تکمیل وہ خود کرنا چاہتا ہے۔دریا عبور کرتے ہوئے اس کی ملاقات واسو دیو سے ہوتی ہے۔دریا عبور کر کے وہ جس شہر میں جاتا ہے وہاں اس کی ملاقات کملا سے ہوتی ہے جو اسے کام رس کے ہنر میں طاق بناتی ہے۔کملا کے توسط سے اس کی ملاقات ایک کاروباری شخص سے ہوتی ہے۔اس سے وہ دولت کمانے کا فن سیکھتا ہے۔جنسی لذت اور دولت کو تیاگ کر،ایک دن وہ شہر چھوڑ دیتا ہے۔واپسی پر اس کی ملاقات پھر سے واسو دیو سے ہوتی ہے جو اسے اپنے پاس رہنے کی اجازت دیتا ہے۔وہ اس کے ساتھ رہ کر دریا کو سننے کا تجربہ کرتا ہے۔کملا گوتم بدھ کی چیلی بن جاتی ہے۔گوتم کی موت کی خبر سن کر اس کے چیلے اس کے آخری دیدار کے لیے جمع ہوتے ہیں،کملا بھی اپنے گیارہ سالہ بیٹے کو لے کر نکلتی ہے جسے

دریا عبور کرتے ہوئے سانپ ڈس لیتا ہے۔ واسو دیو اور سدھارتھ اسے بچانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اسے بچا نہیں سکتے۔ کملا کی وفات کے بعد اس کا اپنا بیٹا اس سے باغی ہو جاتا ہے۔ وہ اسے چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ فطرت کی آواز کو سننے، سمجھنے اور محسوس کرنے میں مہارت حاصل کرتا ہے۔

ناول نگار نے ''سدھارتھ'' کا کردار جس عہد میں تخلیق کیا ہے اس کا تعلق آج سے پچیس سو سال پہلے سے ہے۔ اس عہد میں ہندوستان توہم پرستی، فرسودہ اور از کار رفتہ روایات کے چنگل میں پھنسا ہوا تھا۔ لوگ ان رسوم و رواج سے جان چھڑا کر روحانی ادراک کی نئی دنیاؤں کی تلاش میں تھے۔ اس دور میں مہاتما بدھ کی تعلیمات، اس سماج کے باشندوں کو دورِ ظلمت میں نور کا استعارہ محسوس ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں لوگ جوق در جوق بدھ مت کی تعلیمات کو اپنا رہے تھے۔ ہندو مت کی تعلیمات جس زبان میں موجود تھیں، اس تک عوام الناس کی رسائی ناممکن تھی کیوں سنسکرت زبان صرف اعلا طبقے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ پالی زبان عام لوگوں کے بول چال کی زبان تھی۔ علم و آگہی کی گوتم نے اسی زبان میں ترویج کی جس کی بدولت ان تک علم و عرفان کی آگہی سہل ہوئی اور لوگ اپنے خونی رشتے ترک کر کے بدھ کی تعلیمات کو اپنانے لگے۔ اس دور کے رجحانات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر طاہر منصور صدیقی لکھتے ہیں:

> ''یہ وہی زمانہ تھا جب دنیا بھر میں انسان کے شعور میں تبدیلی نمودار ہو رہی تھی۔ اس زمانے میں یورپ نے فلسفے کے مباحث کو گلے لگایا۔ یورپ میں اس فکری نہج کے بانی مبانی حضرت سقراط تھے۔ سقراط کے فلسفیانہ خیالات کی پاداش میں ان کے سامنے زہر کا پیالہ رکھ دیا گیا۔ انھوں نے بصد خوشی زہر ہلاہل پی کر جسم کی ظاہری زندگی سے نجات پائی اور حیاتِ جاوداں کو گلے لگایا جو ہمیشہ سے نوعِ انسان کا مطمعِ نظر رہا ہے۔ ناول سدھارتھ کا ہیرو بھی آلایشِ دنیا سے کنارہ کش ہو کر نروان کی ابدی منزل کا متلاشی ہو جاتا ہے جس کا ذکر بدھ ازم کے صحائف میں موجود ہے۔ دھلاپادا میں ارشاد ہی۔'' جب تم تلاش کی ندی کے پار اتر گئے تو جو زمین سامنے بچھی ہو گی اس کا نام نروان ہے۔''(۳)

اس دور میں فلسفہ تیزی سے پروان چڑھ رہا تھا۔ پورے ملک میں متنوع خیالات کی فراوانی تھی۔ اس دور میں آزادئ فکر اور مذہبی رواداری موجود تھی۔ ایک ہی کنبے کے افراد برہما کے مختلف مظاہر کی پرستش کرتے اور متضاد نظریوں کے قائل نظر آتے تھے۔ ناول سدھارتھ، اسی پس منظر میں سامنے آیا جس کا مرکزی کردار سدھارتھ، بدن کی کثافتوں سے ماورا ہو کر ذات کے باطن سے الہام کشید کرنے کا جتن کر رہا ہے۔ اس کردار کو پروان چڑھانے کے لیے ناول نگار نے گووندا کے کردار کو تشکیل دیا ہے۔ یہ کردار نروان کے حصول میں سدھارتھ کے ساتھ روانہ ہوتا ہے لیکن ایک مکتبہ

فکر کو اپنا کر،اس کا حصہ بن جاتا ہے۔اس کردار کے افکار و کردار میں اضطراب کا فقدان ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ جلد ہی اطمینان اور شانتی، پا لیتا ہے۔اس میں ناکامی کا خوف پایا جاتا ہے جو اسے آگے بڑھنے سے روکتا ہے۔وہ مخلص ترین دوست ہونے کے باوجود سدھارتھ کا ساتھ دینے سے قاصر ہے۔وہ ناول میں پیرو کاروں کے گروہ کااستعارہ بن کر سامنے آیا ہے۔پیرو کار جن کی سرشت میں یہی ہی ہوتا ہے کہ وہ زندگی میں آسان راستوں کا انتخاب کرتے ہیں۔گوندا کا کردار دوستی اور پرستش کی ڈوری میں قید ہے۔صوبیہ سلیم اس کا تجزیہ کرتے ہوئے تحریر کرتی ہیں:

> ''گوندا کے افکار پر سدھارتھ کی پرچھائیں نظر آتی ہے مگر آخر کار وہ اپنا رستہ خود ڈھونڈ لیتا ہے کہ لاحاصل کی تلاش میں آخر وہ کب تک سدھارتھ کا ساتھ دے سکتا تھا۔گویا انسانی فطرت کے عین مطابق جہاں اس کا دل ٹھہرا وہیں اس نے مقام کر لیا۔ [۴]

گوندا بدھ کا بھکشو بن گیا کیوں کہ اس میں نہ جستجو کی مزید لگن تھی اور نہ ہی صلاحیت تھی۔ناول کے آغاز میں ہرمن ہیسے نے ایک جگہ اس کے لیے لفظ''سایہ'' بھی استعمال کیا ہے۔کارل گستاؤ ژونگ کے نظریے کے مطابق اس کردار کو سدھارتھ کا ''پرسفا'' بھی کہا جاسکتا ہے۔گوندا کے ساتھ سدھارتھ کے مکالمے حقیقت میں اپنی ذات کے ساتھ مکالمے ہیں۔مذکورہ کردار سدھارتھ کی باطنی کیفیات اور خواہشات کو سماجی ماحول میں ڈھالنے کے لیے مددگار کے طور پر موجود ہے۔یہ وہی صورتِ حال ہے جو قرۃ العین حیدر نے ''آگ کا دریا'' میں گوتم اور ہری شنکر کے مابین پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔سدھارتھ کی مشکل پسندی اور جفاکشی کو نفسیاتی نقاد''میسوکزم'' یا ''ایذا طلبی'' خیال کرتے ہیں۔ویسے تو ہر سماج میں ایسے انسان موجود ہوتے ہیں جو ذہنی اور جسمانی ریاضتوں کو لازمی خیال کرتے ہیں۔

اس دنیا میں کئی ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں جو جفاکشی اور محنت سے جان چھڑاتے ہیں اور اپنی سستی اور کاہلی کو خدا پہ ڈال کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔اس ناول میں سدھارتھ کے کردار کے ذریعے یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ انسان اپنے مقدر کو بدل سکتا ہے۔کوئی دوسرا،اگر سیکڑوں برس بھی کوشش کر لے تو وہ دوسرے کی قسمت تبدیل نہیں کر سکتا۔اپنا مقدر تشکیل دینے کے لیے سدھارتھ نے ہمیشہ اپنے ضمیر کی آواز کو سنا ہے۔وہ لوگ جو ضمیر کی آواز کو خاموش کر دیتے ہیں تو ہوس اور دنیاوی لالچ ان کے دل میں گھر کر لیتا ہے،وہ فانی دنیا کے چنگل میں پھنس جاتے ہیں۔دنیاداری خود انانیت (Ego Self) کامیدان تو ہوسکتی ہے لیکن کشفِ ذات(Psychic Self) کے مقام، جہاں شعور اور جبلت پر گزرتا وقت ٹھہر سا جاتا ہے، کے نشانات کہیں موجود نہیں ہوتے۔وقت کی لہروں پہ زندگی کی دھوپ چھاؤں کا جو سفر سدھارتھ نے طے کیا ہے، وہ اسے اسی ندی پہ لے آتا ہے جہاں اس نے ندی پار کی تھی۔اسی ندی پہ اس کی ایک بار پھر اپنے دوست گوندا سے ملاقات ہوتی ہے۔اس مقام پر سدھارتھ کے کردار کو جو سب سے زیادہ فکری اور نفسیاتی تقویت فراہم

کرنے والا کردار سامنے آتا ہے وہ واسو دیو ہے۔اس کا کردار مرشد یا استاد کی حیثیت رکھتا ہے۔وہ سدھارتھ کو فطرت سے نروان کے حصول کے فلسفے سے روشناس کراتا ہے۔اس کردار کا سدھارتھ کی شخصیت پر گہرا اثر موجود ہے۔ وہ اسے کئی مشورے دیتا ہے۔یہیں پر قاری کو مشورے اور نصیحت کے مابین لطیف فرق محسوس ہوتا ہے۔نصیحت کے پیچھے حکم کی کیفیت موجود ہوتی ہے جب کہ مشورہ راستا دکھانے کے مترادف ہوتا ہے۔نصیحت ایک راستے پر چلانے کی کوشش کرتی ہے جب کہ مشورہ راستے بتانے کے بعد آپ کو انتخاب کا راستا خود سے منتخب کرنے پہ آماہ کرتا ہے۔سدھارتھ کے نزدیک نصیحت بے معنی اور فضول ہے، یہ وقت اور الفاظ کو ضائع کرنا ہے۔سدھارتھ کا کردار قاری کو یہ بھی سکھاتا ہے کہ مشورہ ہمیشہ مناسب شخص سے ہی کرنا چاہیے۔یہی وجہ ہے کہ وہ دولت اور جنس کے حصول کا مشورہ کملا سے کرتا ہے جو کہ طوائف ہے اور اچھی طرح جانتی ہے کہ جنسی لذت اور دولت کی کیا اہمیت ہے۔علم کے حصول کا مشورہ وہ رشیوں سے لیتا ہے اور فطرت سے کیسے ہمکلام ہونا ہے، اس کا مشورہ وہ واسیو دیو سے لیتا ہے۔واسیو دیو کا کردار کئی اعتبار سے علامتی کردار کی صورت میں سامنے آتا ہے۔وہ عام دنیا اور روشن خیالی میں پُل کا کام کرتا ہے۔وہ مددگار اور راہنما بن کر سدھارتھ کو نروان تک رسائی میں معاونت کرتا ہے۔

واسیو دیو ناول میں دانش وحکمت کی علامت کے طور پر بھی موجود ہے۔وہ سدھارتھ کے فکری اور روحانی سفر میں مددگار اور راہنما کے طور پر سامنے آتا ہے۔اسی کردار کے وسیلے سے ہی اسے اطمینان، شانتی اور عرفان حاصل ہوتا ہے۔وہ سدھارتھ پر منکشف کرتا ہے کہ ایک چیز جو تمھیں حقیقت تک پہنچا سکتی ہے وہ ہے مکمل توجہ۔فطرت کو بغور دیکھنا، اسے محسوس کرنا اور اس کی گہرائی میں اترنے کے لیے تجربات کرنا، یہ وہ اصول ہیں جن سے انسان حقیقت کے قریب ہوتا ہے۔واسیو دیو کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے آصف فرخی لکھتے ہیں:

> ''واسیو دیو کا جو کردار ہے اس میں ایک طرح کی ''فوک وزڈم'' ہے اور چوں کہ سدھارتھ کو عرفان حقیقت اسی کے وسیلے سے حاصل ہوا ہے تو گویا ناول میں اس کی فتح ہوتی ہے۔واسیو کا کردار کچھ زیادہ ہی نیک اور سادہ ہے۔[۵]

سدھارتھ کو دیکھتے ہی وہ محسوس کر لیتا ہے کہ وہ غیر معمولی انسان ہے۔وہ اسے ندی کے توسط سے وقت اور فطرت کے فلسفوں سے روشناس کراتا ہے۔وہ اسے ''اوم'' کے فلسفے کا گیان دیتا ہے۔وہ کسی بھی قسم کے ذاتی مفاد، لالچ اور رذیل جذبوں سے عاری انسان ہے۔اس بات کا اندازہ ناول کے آخری حصے میں اس کے سدھارتھ کے ساتھ مثبت رویے سے کیا جا سکتا ہے۔یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ اُس کا صدیوں سے دوست ہے۔وہ ایک دوسرے سے اپنی دلی کیفیات اور اسراروں سے پردہ اٹھاتے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔اس حوالے سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو جس میں سدھارتھ گوندا کو اپنی کیفیات سے آگاہ کر رہا ہے:

''نہیں میں تمھیں اپنی تلاش کے بارے میں بتارہا ہوں۔معلومات تقسیم کی جاسکتی ہے عرفان نہیں۔ انسان اسے حاصل کرسکتا ہے،خود کو اس کے ذریعے قوی بنا سکتا ہے۔اس سے کرامات دکھا سکتا ہے لیکن نہ کوئی اسے بتا سکتا ہے،نہ پڑھا سکتا ہے۔مثلاً اگر واحد ہے تو الفاظ میں ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ ہر چیز جو الفاظ میں سوچی اور ظاہر کی جاسکتی ہے، سطحی اور ایک طرفہ ہوتی ہے۔صرف آدھی سچائی۔ اس میں تکمیل اور اکملیت کی کمی ہوتی ہے۔۔۔۔لیکن اپنے آپ میں جو ہمارے اندر اور چہار سمت ہے،واحد نہیں ہے۔کوئی عمل کبھی بھی مکمل شکل میں نہ دنیا ہے نہ عرفان۔کوئی آدمی مکمل شکل میں نہ سادھو ہے نہ گناہ گار۔ایسا اس لیے دکھائی پڑتا ہے کہ ہم غلط نقطۂ نظر سے آگے بڑھتے ہیں۔ (۲)

واسیو دیو اور گوندا کے کرداروں سے قاری پر یہ بھی منکشف ہوتا ہے کہ علم کسی کو روایتی طریقہ تعلیم سے منتقل نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ وہ خود اس کو سیکھنے کے لیے تیار نہ ہو۔ انسان اگر سیکھنے، سمجھنے اور محسوس کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو وہ دنیا کی ہر چیز سے سیکھ سکتا ہے۔کوئی بھی اپنے محسوسات اور تجربات کو دوسرے تک منتقل نہیں کرسکتا ہے۔حیرت اور تجسس کا مادہ علم کے حصول میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ کائنات کو کتاب سے تشبیہ دیں تو اس کو پڑھنے کے لیے زبان کی ضرورت ہوگی جب تک آپ کائناتی زبان پر عبور حاصل نہیں کرتے اس وقت تک آپ کائنات کی کثرت سے وحدت کا درس حاصل نہیں کر سکتے۔سدھارتھ کو یہ نکتہ واسیو دیو ہی نے سمجھایا تھا۔

سدھارتھ کے کردار میں ہرمن ہیسے نے مغربی فردیت پسندی کو شعوری طور پر داخل کرنے کی کوشش کی ہے۔اس کا روشن خیالی کو حاصل کرنے کا انداز، بدھ مت میں موجود اصولوں سے انحراف کا نتیجہ ہے۔وہ تعلیمات جو اس کے اندر موجود تھیں، ان کا ادراک ہو جانا ایسا ہے جیسے یہ ساری باتیں اس کے اندر موجود تھیں، اور گیان کے بعد پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی ہیں۔یہاں غور کیا جائے تو حقیقت کی معروضیت اور موضوعیت کو زیرِ بحث لایا جا سکتا ہے۔ یہ وہ بحث ہے جو ہرمن ہیسے کے دور میں جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے مباحث میں موجود تھی۔ویسے بھی سدھارتھ کا کردار پہلے سے موجود مذہبی اور ثقافتی کوڈز اور کنوینشنز کو توڑتا دکھائی دیتا ہے۔وہ جس دور کی نمایندگی کر رہا ہے وہ ڈوگما(Dogma) اور کٹر اصولوں کی بنیاد پر اپنی افادیت کھو چکا ہے۔وہ اپنی فکر کے اظہار کے لیے کھلی فضا یا کھلے پن کا متقاضی ہے جو اس بند ماحول میں کافی حد تک ناممکن تھا۔وہ لکیر کا فقیر بن کر زندہ رہنے سے قاصر ہے۔ اس کا دوست گوندا اس روش کو اپنا کر زندگی اطمینان اور شانتی سے گزار دیتا ہے لیکن وہ اُس کے برعکس اپنے لیے الگ راستا اختیار کرتا ہے۔وہ اب اپنی شخصیت کے بجائے ذات کا تلاشی ہے۔اب معاشرہ اس کے تقاضے پورا کرنے سے قاصر ہے کیوں کہ وہ

اب اپنی ضروریات سے آگے بڑھ کر سوچ رہا ہے۔ نفسیاتی طور پر اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ یہ فرائیڈ کے نزدیک جنسی انگیخت بھی ہو سکتی ہے، ایڈلر کے نزدیک طاقت کے حصول کی بے پناہ خواہش بھی اور ابراہم ماسلو کے نزدیک اعلا ترین واردات کے حصول کی تمنا ہو سکتی ہے۔ اسی لیے سدھارتھ مروجہ اقدار پر تنقیدی نگاہ دوڑانا شروع کر دیتا ہے:

> ''سدھارتھ نے محسوس کیا کہ اس کا اندروں ناآسودگی کا شکار ہے۔ اسے لگا کہ والدین اور گوندا کی محبت اسے ہمیشہ خوش نہیں رکھ سکتی۔ ان سے دائمی مسرت کی امید نہیں کی جا سکتی۔ وہ سوچتا کہ میرے والد اور اساتذہ نے اپنی تمام علمیت کے نچوڑ سے میرے خالی ذہن کو پُر کر دیا ہے پھر بھی یہ بھرا نہیں۔ دماغ کی تسکین نہیں ہوئی۔ روح مطمئن نہیں ہوئی۔ دل ابھی بھی متجسس ہے۔ غسل سحر بہتر ہے لیکن وہ ہے تو پانی ہی۔ پانی جس سے گناہ نہیں دھلتے۔ روح کی افسردگی کا بار کم نہیں ہوتا۔ عبادات اور ہون ٹھیک ہیں لیکن کیا یہی سب کچھ ہے؟ کیا یہ اعمال مسرت بخش ہیں؟ اور دیوتا؟ کیا یہ سچ ہے کہ پرجا پتی نے کائنات کی تخلیق کی ہے؟ کیا وہ پرماتما ہے؟ تنہا، جس نے یہ سب تخلیق کیا ہے؟ کیا دیوتا بھی ہماری طرح فانی نہیں ہیں؟ تب کیا دیوتاؤں کی عبادت درست اور صحیح عمل ہے؟''(۷)

یہ سدھارتھ کی تنقیدی نگاہ ہی نہیں بلکہ سوال اٹھانے کا کرب ہے۔ اب وہ اپنا ہر فیصلہ اور ہر قدم اکتسابی رویوں سے نہیں بلکہ ہر معاملے کی الگ الگ صورتِ حال کو قبول کرتے ہوئے، اس کے مخصوص تناظر میں رکھتے ہوئے، پرکھ اور جانچ کرنے لگتا ہے۔ اس معاملے میں دخیل رسوم و رواج کو نکال باہر پھینکتا ہے۔ اب وہ دنیا کو فاصلے پر رکھ کر اور دنیاوی علائق سے کنارہ کرتے ہوئے، دنیا کا مشاہدہ کرتا ہے۔ یہ سارا عمل وہ اس لیے کر رہا ہے کہ تا کہ وہ دنیا کو معروضی طور سے معرضِ تفہیم میں لا سکے۔ اس کو پانے کے لیے وہ، مجاہدہ، مشاہدہ، ریاضت، ترکِ عادات، اتباعِ مرشد اور نفی و اثبات کے مراحل سے گزرتا ہے۔ اس نے مکالمہ، تشکیک اور ترکِ اقدار سے بھی کام لیا۔ علم و وجدان کے سہارے آگے بڑھتا گیا۔ اس کی ذات کائنات سے ہم آہنگ ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا رویہ سادہ اور فطری ہے۔ وہ زندگی میں مصنوعی طرزِ عمل اختیار نہیں کرتا اور نہ تکلف کا بوجھ سر لیتا ہے۔

ہرمن ہیسے نے سدھارتھ کے کردار کو اجاگر کرنے کے لیے ٹی ایس ایلیٹ کی زبان میں معروضی تلازمات سے بخوبی کام لیا ہے۔ اس نے دریا کو زندگی سے منسلک کر کے پیش کیا ہے جس کی آواز پر سدھارتھ نے بیس سال تک کان لگائے رکھا۔ دریا کا بہتا پانی ابدیت، اشتراک، وحدانیت اور وقت کے تسلسل کا استعارہ بن کر سامنے آتا ہے۔ دریا مذکورہ ناول میں تکرار کا استعارہ بھی ہے۔ دریا جب پہلی بار ناول میں ظاہر ہوا تھا اس وقت، سدھارتھ نے اپنے دوست گوندا کو خیر باد کہا

تھا یوں اس نے زندگی کے نئے دور کا آغاز کیا۔ وہ ایک کرب میں مبتلا سادھو سے مکمل دنیادار انسان میں ڈھلا، جسے لذت اور دولت عزیز ہے۔ زندگی کے اس مرحلے پر اس نے لذتیت کا تجربہ کیا جو اسے مطمئن نہ کر سکا۔ وہ جب دریا واپسی عبور کرتا ہے تو اس میں ایک بار پھر تبدیلی رونما ہوتی،اس طرح دریا تبدیلی یا زندگی کے ایک خاص مرحلے (Transition) کا استعارہ بن جاتا ہے۔ اس کے گرد درخت، پرندے، ہوائیں اور بارشیں ہیں جن کی آوازوں پہ اسے کان دھرنا آ گیا ہے اور اب وہ کائنات کی زبان سمجھ لیتا ہے۔ دریا اور سمندر کا استعارہ تمام مذاہب میں اہمیت کا حامل ہے۔اسلام اور عیسائیت میں اسے اطمینان،سکون، امن اورمقدس روح کی موجودگی کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ندی کو ناول میں ہرمن ہیسے نے وقت کے استعارے کے طور پر بھی استعمال کیا ہے۔ اس حوالے سے اس کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''ایک بار اس نے اس سے پوچھا،'' کیا ندی سے تم نے یہ راز بھی سیکھا کہ وقت جیسی کوئی اکائی موجود ہی نہیں۔'' واسیو دیو کے چہرے پر ایک پُر جوش مسکراہٹ پھیل گئی۔ہاں سدھارتھ۔ اس نے کہا،'' کیا تم بھی یہی سوچتے ہو کہ ندی ایک ہی وقت میں ہر جگہ موجود ہے۔ مخرج میں بھی اور سنگم پر بھی۔ آبشار میں، گھاٹ پر، سمندر میں، پہاڑ پر، ہر جگہ۔ اس کے لیے صرف حال ہی کا وجود ہے۔ نہ ماضی کا، نہ مستقبل کا۔''(۸)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مسکان انسانی جذبات کا اظہار ہے۔ مذکورہ ناول میں اس کی حیثیت اس سے کچھ زیادہ ہے۔ یہاں یہ انسانی باطن کی کامیابی کے بصری اظہار کے طور پر موجود ہے۔ واسیو دیو اور سدھارتھ دونوں نروان حاصل کر لیتے ہیں۔ وہ اسی طرح ایک دوسرے سے مسکان کا تبادلہ کرتے ہیں جیسے گوتم نے سدھارتھ سے مسکان کا تبادلہ کیا تھا۔ یوں یہ مسکان انسان کے باطن کے اطمینان، شانتی، سرور اور کامیابی کا استعارہ بن جاتی ہے۔ اگرچہ واسیو دیو، سدھارتھ اور گوتم تینوں نے نروان حاصل کیا ہے لیکن تینوں کا راستا اور انداز جدا جدا تھا۔ انھوں نے معاشرے سے نہیں بلکہ اپنی ذات سے اثر قبول کیا ہے۔

سادگی، جستجو، معصومیت اور جذبات کے اظہار کے لیے ہرمن ہیسے، سدھارتھ کے بچے کا کردار سامنے لائے ہیں۔ بچہ زندگی کی خوب صورتی اور بدصورتی کا استعارہ بنا ہے۔ اس ناول میں بچہ اور بچکانہ طبیعت والے لوگوں کو بے عزت بھی کیا گیا ہے اور ان کی تعریف بھی کی گئی ہے۔ یہ تضاد بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی اپنے جذبات و احساسات سے آگاہ ہوتا ہے۔ سدھارتھ ایک بچے کی طرح اپنی ذات کی خواہشات کا اسیر بھی ہوتا ہے اور خود سے نفرت کرنا بھی سیکھتا ہے۔ وہ جنسی لذت اور دولت بھی کماتا ہے اور پھر اس سے لاپرواہ بھی ہو جاتا ہے۔ متضاد جذبات کے تجربات کا ہونا، روشن خیالی

کی کلی تفہیم اور اکمل ادراک کے لیے لازمی عمل تھا جس سے ناول کا مرکزی کردار گزرا ہے۔

اس کے علاوہ سانپ، موت کا استعارہ بن کر سامنے آتا ہے۔ ایک روز جب سدھارتھ جنگل میں بے خبری کے عالم میں سویا ہوا ہوتا ہے۔ سانپ اس کے قریب بھٹک رہا ہوتا ہے، اسی لمحے اس کا پرانا دوست گوندا وہاں ظاہر ہوتا ہے جو کہ اسے سانپ کے ڈسنے سے بچا لیتا ہے۔ بدقسمتی سے سدھارتھ کی محبوبہ جس نے اسے جنسی لذتوں سے آشنا کیا تھا، وہ سانپ کے ڈسنے سے مر جاتی ہے۔ سانپ کی ایک اور خصوصیت بھی ہوتی ہے جو خاص عرصے بعد کینچلی اتار دیتا ہے۔ اس ناول میں سدھارتھ بھی اپنے خیالات، تفکرات اور ساتھی جو فرسودگی اور از کار رفتگی کا شکار ہو جاتے ہیں، انھیں وہ سانپ کی کینچلی کی طرح اُتار پھینکتا ہے۔ جو چیز اس کا ساتھ دیتی ہے وہ اس کی ذات ہے۔ اس نے سب سے پہلے برہمن ہونے کی کینچلی اتاری، پھر شرون کی کینچلی اتاری اور پھر اس نے دولت مند ہونے کی کینچلی اتاری۔ کینچلی کا اترنا تبدیلی اور فانی ہونے کا استعارہ ہے۔

پتھر کو مذکورہ ناول میں دانش کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ عام طور پر لوگ پتھر کو بے قیمت اور غیر معمولی خیال کرتے ہیں۔ سدھارتھ واضح کرتا ہے کہ پتھر، زمین، درخت، پودوں اور حتیٰ کہ زندگی کا استعارہ ہے۔ وہ اسے زندہ جسم کے طور پر پیش کرتا ہے جس پر وقت کی گزران کا کوئی اثر نہیں پڑتا اور سالہا سال یہ دانش کو جذب کرنے کا کام کرتا ہے۔

سدھارتھ کا کردار ''اوم'' اور ''حقیقت'' کے طور پر ناول میں پیش کیا گیا ہے۔ وہ اپنے عہد کی فرسودگی سے گریز کرتے ہوئے خود آگہی کا راستا اختیار کرتا ہے۔ اس کی خود آگہی کا راستا بہتی ندی سے مماثلت رکھتا ہے۔ ایک بچہ سدھارتھ، جوان سدھارتھ اور پھر بوڑھا سدھارتھ۔ ندی کا بہاؤ ہمارے سامنے وقت کی اکائی کی صورت موجود ہے۔ سدھارتھ کی گزری زندگی ماضی نہیں، موت اس کا مستقبل نہیں، سب حال ہے اور ہر لمحے موجود ہے۔ اس نے ہر چیز کو ایک ہی لڑی میں پرویا ہوا دیکھا۔ اس نے محسوس کیا کہ ہر چیز فانی ہے لیکن پھر بھی کوئی شے مرتی نہیں ہے، وہ سب شکلیں اور چہرے آرام کرتے، بہتے ہیں اور نئی زندگی پاتے ہیں، دور تک ندی میں تیرتے ہیں اور نئی زندگی پاتے ہیں۔

سدھارتھ کے کردار کو واضح کرنے کے لیے ناول نگار نے اس کی تصویر پیش نہیں کی بلکہ مختلف علامتوں، استعاروں اور تلازمات سے اس کے تمام پہلوؤں کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ کیوں کہ تصویر تو کسی سفید کاغذ پر، شے کی صرف دو جہات کو ہی واضح کر سکتی ہے لیکن شے کے ابھار واضح نہیں ہوتے۔ ہرمن ہیسے نے ماہر سنگ تراش کی طرح اس کردار کو تراشا ہے جس سے اس کی چوڑائی، لمبائی اور موٹائی بھی قاری کے سامنے پیش ہوئی ہے۔ اس طرح وہ واقعیت کے قریب تر ہو گیا ہے۔ اس کردار کی تشکیل میں ناول نگار ایک مصور کے بجائے بت تراش کی حیثیت سے قاری کے سامنے آیا ہے جس نے سدھارتھ کی Three Dimentional Image (سہ جہاتی شبیہ) پیش کر کے اس

کی شخصیت اور ذات کو قاری پر فن کارانہ انداز میں نمایاں کیا ہے۔

حواشی

۱۔ https://www.aikrozan.com/hermann-hesse-novel-siddhartha

۲۔ محمد فرید و ڈاکٹر صلاح الدین درویش، ناول سدھارتھ کے کرداروں کے افکار و نظریات کا تنقیدی مطالعہ، مشمولہ الماس، جلد ۲۱، شمارہ ۱، ۲۰۱۹ء، شعبۂ اردو، شاہ عبد اللطیف بھٹائی یونی ورسٹی، خیر پور، ص ۱۲۱

۳۔ https://www.mukaalma.com/132091

۴۔ صوبیہ سلیم، سدھارتھ کا فکری و فنی جائزہ، مشمولہ مجلّہ تخلیقی ادب، شمارہ ۱۰، س ن، شعبۂ اردو، نمل، اسلام آباد، ص ۳۳۸

۵۔ آصف فرخی، سدھارتھ اور آگہی مشمولہ مجلّہ اسلوب، کراچی، ۱۹۸۵ء، ص ۱۵۳

۶۔ ہرمن ہیسے (Hermann Hesse)، سدھارتھ (Siddharth)، مترجم: یعقوب یاور، (کراچی: سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۱۹ء)، ص ۱۱۵

۷۔ ایضاً، ص ۱۳

۸۔ ایضاً، ص ۸۹

مآخذ

۱۔ ہیسے، ہرمن (Hesse, Hermann)، سدھارتھ (Siddharth)، مترجم: یعقوب یاور، (کراچی: سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۱۹ء)، ص ۱۱۵

رسائل و جرائد

۱۔ تحقیقی مجلّہ الماس، شمارہ ۱، جلد ۲۱، ۲۰۱۹ء، شعبۂ اردو، شاہ عبد اللطیف بھٹائی یونی ورسٹی، خیر پور

۲۔ مجلّہ تخلیقی ادب، شمارہ ۱۰، شعبۂ اردو، نمل، اسلام آباد، س ن

۳۔ مجلّہ اسلوب، کراچی، ۱۹۸۵ء

ویب گاہیں

1. https://www.aikrozan.com/hermann-hesse-novel-siddhartha
2. https://www.mukaalma.com/132091

Refrences:

1. https://www.aikrozan.com/hermann-hesse-novel-siddhartha
2. Muhammad Fareed & Dr. Salahud Din Darvaish, *Novel Sidarth kay kirdaron kay Afkar-o-Nazaryat ka Tanqeedi Mutala'a* in *Almas*, Vol. 21, No. 1, 2019, Dept. of Urdu, Shah Abdul Latif Bhitai University, Khairpur, p. 121
3. https://www.mukaalma.com/132091

4. Sobia Saleem, *Sidharth Ka Fikri-o-Fanni Jaiza* in *Takhleeqi Adab*, NUML, No. 10, p. 338
5. Asif Farrukhi, *Sidharth aur Agahi* in *Usloob*, Karachi, 1985, p.153
6. Hermann Hesse, *Sidharth*, Trans. by Yaqoob Yawar, (Karachi: City Book Point, 2019), p.115
7. Ibid, p.13
8. Ibid, p.89

Bibliography:

1. Hesse, Hermann, *Sidharth*, Trans. by Yaqoob Yawar, Karachi: City Book Point, 2019

Magazines:

1. *Almas*, Vol. 21, No. 1, 2019, Dept. of Urdu, Shah Abdul Latif Bhitai University, Khairpur
2. *Takhleeqi Adab*, No. 10, Dept. of Urdu, NUML, Islamabad
3. *Usloob*, Karachi, 1985

Websites:

1. https://www.aikrozan.com/hermann-hesse-novel-siddhartha
2. https://www.mukaalma.com/132091

۞۞